کشمیر، ہندوستان اور پاکستان

شیخ محمد عبداللہ

یہ مضمون میں نے اس مقصد کے پیشِ نظر قلم بند کیا ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کے بارے میں جو جھگڑا چل رہا ہے۔ اُس کی اہم اور بُنیادی باتیں اختصار کے ساتھ پیش کر دوں اور یہ بتاؤں کہ ماضی میں اس جھگڑے کو طے کرنے کے لئے پُوری ریاست میں مکمل رائے شماری کے حل کے علاوہ دوسرے کون کون سے حل زیرِ غور لائے گئے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ اس سے یہ مسئلہ طے کرنے کے آئندہ اقدامات کے لئے کچھ زمین ہموار ہو جائے گی۔

جب برطانیہ نے برصغیر ہند کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا تو برطانوی پارلیمنٹ نے "انڈین انڈی پنڈنس ایکٹ آف ۱۹۴۷ء" کے نام سے آزادی ہند کا قانون بنایا۔ اس قانون کے ذریعہ ہندوستان اور پاکستان کی دو آزاد سلطنتیں وجود میں لائی گئیں۔ اور جہاں تک ہندوستان میں واقع پانچ سو باسٹھ ۵۶۲ دیسی ریاستوں کا تعلق تھا۔ وہ بھی تاج برطانیہ کے اقتدارِ اعلیٰ سے آزاد قرار دے دی گئیں۔ چونکہ برطانوی پارلیمنٹ نے قانون آزادی ہند میں دیسی ریاستوں کی حد تک اختیارِ اعلیٰ ہندوستان یا پاکستان کی دو نو مولود اور اپنی قائم مقام حکومتوں کو منتقل کرنے سے اجتناب کیا تھا۔ اس کا قُدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ ان دیسی ریاستوں میں برطانوی سرپرستی ختم ہوتے ہی اقتدارِ اعلیٰ خود بخود ان ریاستوں کی طرف منتقل ہو گیا۔ اور اس طرح یہ دیسی ریاستیں مکمل طور پر آزاد ریاستیں بن گئیں۔ حقیقی آئینی کیفیت تو یہی تھا۔ لیکن وائسرائے ہند جو اس ساری کارروائی میں تاج برطانیہ کی نمائندگی کر رہے تھے۔ اُن کے ذریعے اِن آزاد شدہ دیسی ریاستوں کو یہ مشورہ دیا گیا کہ وہ اپنے جغرافیائی

محل وقوع اور دیگر متعلقہ امور کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہندوستان اور پاکستان دو ملکوں میں سے کسی نہ کسی کے ساتھ اپنا تعلق پیدا کرلیں اور یہ تعلق دفاعی وحفاظتی امور، تعلقاتِ خارجہ اور چند ایک دوسرے گنے چُنے معاملات کی حد تک ہی محدود ہونا چاہیئے۔ پھر ایسا ہوا کہ ایک مقررشدہ تاریخ کے اندر اندر ریاست جموں وکشمیر اور ریاست حیدرآباد کو چھوڑ کر قریباً قریباً باقی تمام ریاستوں نے تاج برطانیہ کے نمائندہ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو ہندوستان یا پاکستان دو میں سے ایک نہ ایک کے ساتھ وابستہ کرلیا۔

ریاست جموں وکشمیر (جس کا حوالہ آئندہ سطور میں بغرض سہولت صرف "کشمیر" کہہ کر دیا جائے گا) کے اپنے کچھ مخصوص معاملات تھے۔ مثلاً اس کا حکمران تو ایک ہندو مہاراجہ تھا لیکن اس کی آبادی کی اکثریت مسلمان تھی۔ پھر اور بہت سے امور تھے۔ جن کو ہند پارلیمنٹ کے ممبر اور ہندو مہاسبھا کے رکنِ رکین مسٹر این سی چٹرجی نے اپنے ایک تازہ مضمون میں ذیل کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"ریاست جموں وکشمیر کا جغرافیائی محل وقوع ایسا تھا کہ وہ ہر طرف سے تازہ پیدا شدہ سلطنتِ پاکستان کی حدود سے گھری ہوئی تھی۔ کشمیر کا بیرونی دنیا کے ساتھ واحد تعلق جہلم ویلی روڈ کے ذریعہ تھا جو براستہ راولپنڈی پاکستان سے ہوکر گزرتی تھی۔ ریلوے لائن کا واحد تعلق جو ریاست کشمیر کو بیرونی دنیا سے جوڑ سکتا تھا وہ پاکستان میں واقع شہر سیالکوٹ سے ہوکر گذرتا تھا۔ ریاست کے ڈاک خانہ جات اور سلسلہ تار کا عمل ودخل بھی ان علاقوں سے وابستہ تھا جو یقیناً سلطنت پاکستان کی حدود میں آچکے تھے۔

ریاستِ کشمیر میں درآمد ہونے والی ضروریات مثلاً نمک، کھانڈ، پیٹرول اور زندگی کی دوسری ضروریات اُن علاقوں سے ہی ہوکر آتی تھیں۔ جو پاکستان کا حصہ بننے والے تھے۔

سیاحوں کی آمد و رفت جو کشمیر کے لئے آمدنی اور مالیات کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ اُس کے حمل و نقل کا سلسلہ بھی براستہ راولپنڈی تھا۔ کشمیر کی اپنی پیداوار خاص کر اُس کے قیمتی میوہ جات کو ریاست سے باہر برآمد کرنے کے لئے کل ایک راہ تھی اور وہ تھی جہلم دہلی کی سڑک، اور کشمیر کے جنگلات سے برآمد ہونے والی عمارتی لکڑی ریاست کے باہر صرف دریائے جہلم کے راستے ہی جا سکتی تھی۔ جو بہتا ہوا پاکستان میں جا داخل ہوتا ہے۔"

مندرجہ بالا مشکلات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہی مضمون نگار مہاراجہ کشمیر کی اس خواہش کو حق بجانب قرار دیتا ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کو ایک آزاد ریاست کا رتبہ حاصل رہنا چاہیئے تھا۔ اور اُس کی آزادی کے احترام کی یقین دہانی دونوں نئی سلطنتوں ہند اور پاک کو کرنی چاہیئے تھی۔

ریاست کے آخری حیثیت کو طے ہونے تک مہاراجہ کشمیر نے دونوں نو مولود سلطنتوں کے ساتھ جوں کا توں معاہدہ (سٹینڈ سٹیل ایگریمنٹ) کرنے کی پیش کش کی تھی۔ جس کی رُو سے برصغیر کی آزادی اور تقسیم سے پہلے جو آئینی تعلقات بہت سے بنیادی امور اور عوامی زندگی سے تعلق رکھنے والے اُمور کے بارے میں برطانوی علاقہ کے ساتھ تھے۔ وہ جوں کے توں قائم رکھے جائیں۔ اس قسم کا ایک معاہدہ پاکستان کے ساتھ طے بھی کر لیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے پاکستان ڈاک اور تار کے محکموں کی حد تک ریاست جموں و کشمیر میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکا۔ لیکن جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے۔ اُس نے مہاراجہ کے ساتھ اس قسم کا کوئی معاہدہ طے نہ کیا۔

وقت یوں ہی گذر رہا تھا کہ اس اثنا میں علاقہ پونچھ جو ریاست کا ایک حصہ ہے۔ وہاں کے قبیلوں نے پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کے مطالبے پر زور دینا شروع کیا اور مہاراجہ کشمیر نے اس مطالبے سے پیدا ہوتے والی بے چینی کو دبانے کے لئے بہت سے سخت

گیرانہ اقدامات کئے۔ جس کے بعد بیرونِ ریاست سے مُسلح قبائل کی مداخلت شروع ہوگئی۔ جن کے مقابلے میں مہاراجہ کی قوتِ مُدافعت دب کر ناکام ہوگئی۔ جب مہاراجہ نے یہ دیکھا کہ وہ قبائلی حملہ سے ریاست جموں وکشمیر کو اپنی ریاست کی فوجی طاقت کے بل بوتے پر نہیں بچا سکتا تو اُس نے ان حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہندوستان سے مسلح امداد مانگی اور یہ امداد مانگتے ہوئے بھی اُس نے ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے کی کوئی پیش کش نہیں کی تھی۔ مگر حکومت ہند نے یہ رائے ظاہر کی کہ ایک غیر جانب دار ریاست میں اپنی افواج بھیجنا غلطی کا اِرتکاب ہوگا۔ لہٰذا اگر افواج بھیجنی بھی ہے تو اُس کے لئے کشمیر کا ہندوستان کے ساتھ الحاق پیشگی ضرورت ہے۔ البتہ یہ الحاق رائے عامہ کے حصولِ تک مشروط اور عارضی الحاق رہے گا۔ اور جب ریاست میں امن وامان از سرِ نو قائم ہوجائے گا تو الحاق کا سوال ریاست جموں وکشمیر کے عوام کے سامنے پیش کر کے آخری طور پر طے کرلیا جائے گا۔ اسی اثنا میں مہاراجہ ہری سنگھ ریاست کے دارالخلافہ سرینگر کو چھوڑ کر فرار ہوگیا اور اس نے جموں پہنچ کر ہندوستان سے مُسلح امداد کی درخواست حسبِ ذیل الفاظ میں دہرائی:۔

"جغرافیائی محلِ وقوع کے لحاظ سے میری ریاست دونوں سلطنتوں (ہندوستان و پاکستان) کے ساتھ پیوستہ ہے۔ اور دونوں کے ساتھ اس ریاست کے وسیع اور ہمہ گیر اقتصادی اور ثقافتی تعلقات ہیں۔ اس کے علاوہ جمہوریہ رُوس اور ملکِ چین کے ساتھ بھی میری ریاست کی سرحدات مُشترک ہیں۔ سلطنت ہند اور سلطنت پاکستان اپنے خارجہ تعلقات کے سلسلہ میں اس حقیقت کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کرسکتی ہیں۔ اب تک میں نے یہ طے کرنے کے لئے کچھ وقت چاہا تھا کہ میں دو میں سے کسی ایک سلطنت کے ساتھ الحاق کرلوں یا دونوں کے ساتھ دوستانہ اور مُخلصانہ تعلقات قائم رکھتے ہوئے۔ ریاست جموں وکشمیر کو آزاد رکھوں۔ جو خود ہندوستان اور پاکستان کے حق میں بھی بہتر ہوتا۔

"... ... بحالاتِ حاضرہ میری ریاست میں جو حالات پیش آ گئے ہیں، اور جو غیر معمولی کیفیت اس وقت پیدا ہو گئی ہے۔ میرے لئے حکومتِ ہند سے امداد مانگنے کے بغیر اور کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا۔ یہ مسلّمہ امر ہے کہ حکومتِ ہند میری مطلوبہ امداد تب تک نہیں بھیج سکتی جب تک میری ریاست ہند سے الحاق نہ کریں۔ بنا برایں میں نے یہ قدم اُٹھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور میں دستاویزِ الحاق کو اس خط کے ساتھ شامل کر کے آپ کی حکومت کی قبولیت کے لئے ارسال کرتا ہوں۔"

حکومتِ ہند کی طرف سے اُس وقت کے گورنر جنرل لارڈ مونٹ بیٹن نے مہاراجہ کی دستاویزِ الحاق کو حسبِ ذیل تحریر میں بیان کردہ شرائط کے ساتھ قبول کیا۔

"... یور ہائنس نے جو خاص صورتِ حالات اپنے خط میں بیان کی ہے۔ اُس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میری گورنمنٹ نے سلطنتِ ہند کے ساتھ ریاست جموں و کشمیر کے الحاق کو قبول کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ میری گورنمنٹ کی یہ طے شدہ اور مسلسل پالیسی رہی ہے کہ جہاں کہیں کسی ریاست کے الحاق کا مسئلہ متنازعہ فیہ ہو۔ وہاں الحاق کے سوال کو اُس ریاست کے عوام کی خواہشات کے مطابق ہی طے ہونا چاہیئے۔ اس اصول کے مطابق میری گورنمنٹ چاہتی ہے کہ ریاست جموں و کشمیر میں جوں ہی امن و امان قائم ہو جائے اور بیرونی حملہ آوروں کو ریاست کی سرزمین سے نکال باہر کیا جائے ریاست کے الحاق کا سوال ریاست کے عوام کے سامنے پیش کر کے اُن کی رائے کے مطابق طے کیا جائے۔

دریں اثنا آپ نے فوجی امداد کے لئے جو اپیل کی ہے۔ اُس کے بارے میں قدم اُٹھاتے ہوئے آج ہی کچھ ہندوستانی فوج کشمیر روانہ کی گئی ہے۔ جو آپ کی ریاست کو بچانے کے لئے اور آپ کی رعایا کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کے لئے آپ کی اپنی افواج کی مدد کرے گی۔"

(۲)

اُوپر کے واقعات کے نتیجے میں ہندوستان کے ساتھ کشمیر کا جو الحاق ہوا وہ خالص شروط اور عارضی تھا۔ تاوقتیکہ ایک ریفرنڈم کے ذریعہ ریاست کے عوام کی خواہشات اور ارادے کا علم حاصل نہ کیا جائے۔ حکومت ہند نے الحاق کی اس عارضی نوعیت کو ہمیشہ تسلیم کیا اور متواتر اعلان کرتی رہی کہ الحاق کے معاملے کا آخری فیصلہ طے کرنے کا موقعہ جموں وکشمیر کے عوام کو فراہم کیا جائے گا۔ ۱۹۴۸ء میں حکومت ہند کی طرف سے کشمیر کے معاملات پر ایک وائٹ پیپر شائع ہوا۔ جس میں حکومت نے کہا کہ

"ہم اس الحاق کو تب تک عارضی اور مشروط الحاق قرار دیتے ہیں جب تک ریاست کے عوام کی خواہش اور مرضی معلوم نہ کرلی جائے۔"

اسی وائٹ پیپر میں وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے ایک ریڈیو براڈکاسٹ کی رپورٹ بھی درج ہے۔ جس میں پنڈت جی نے کہا ہے کہ

... ..."ہم نے یہ الحاق منظور کیا اور ہوائی جہازوں کے ذریعے فوجیں بھیجیں۔ لیکن ہم نے یہ شرط لگا رکھی ہے کہ جب ریاست میں امن وامان بحال ہوجائے گا۔ تو الحاق کا سوال ریاست جموں وکشمیر کے لوگ خود طے کریں گے ... ...

اور میں اس امر کو یہاں واضح کردینا چاہتا ہوں کہ ہماری پالیسی اور طریقہ کار ہمیشہ یہ رہا ہے کہ جہاں کہیں کسی ریاست کے ایک سلطنت یا دوسری سلطنت کے ساتھ الحاق کے بارے میں کوئی اختلاف یا تنازعہ ہو وہاں فیصلہ کرنے کا حق صرف ریاست کے عوام کو ہی ہونا چاہیئے۔ ہم نے اپنی اسی پالیسی اور طریقہ کار کی وجہ سے دستاویز الحاق کشمیر کو قبول کرتے ہوئے ریفرنڈم کی شرط

بڑھا دی ہے۔

"... ... ہم نے اعلان کیا ہے کہ کشمیر کی قسمت کا فیصلہ آخر کار کشمیر کے عوام ہی طے کریں گے۔ ہم نے یہ وعدہ دے ڈالا ہے۔ اور مہاراجہ کشمیر نے اس وعدے کی تائید کی ہے۔ ہمارا یہ وعدہ صرف ریاست کشمیر کے عوام کے ساتھ ہی نہیں بلکہ ساری دُنیا کے ساتھ ہے۔ ہم اس وعدہ سے نہیں پھریں گے اور نہ پھر سکتے ہیں۔ ہم اس بات کے لئے تیار ہیں کہ جوں ہی ریاست میں امن و امان اور قانونیت از سر نو قائم ہو جاتی ہے، کسی بین الاقوامی ادارہ، مثلاً اقوام متحدہ جیسی ایک غیر جانبدار طاقت کی نگرانی کے تحت الحاق کے سوال پر ریاست کے عوام سے رائے حاصل کرنے کا انتظام کریں۔ ہم چاہتے ہیں کہ عوام سے رائے حاصل کرنے کا یہ قدم صداقانہ اور منصفانہ ہو۔ اور ہم لازمی طور پر عوام کے فیصلے کو قبول کریں گے۔ میرے تصور میں اس پیش کش سے زیادہ کوئی پیش کش بھی پُراز انصاف نہیں ہو سکتی۔ ... ..."

حکومت ہند نے ۳۱ دسمبر ۱۹۴۷ء کو ریاست جموں و کشمیر کا معاملہ اقوام متحدہ کے ہاں پیش کیا۔ اور اس سلسلے میں اقوام متحدہ کو لکھا کہ

"اس ممکن غلط فہمی کو دُور کرنے کے لئے کہ کہیں حکومت ہند ریاست کشمیر کی وقتی مصیبت کو اپنے سیاسی فائدے کے لئے استعمال تو نہیں کرتی۔ حکومت ہند نے یہ بات صاف کر دی ہے کہ جونہی ریاست جموں و کشمیر کی سرزمین حملہ آوروں کو نکال کر خالی کر لی جائے گی۔ اور امن و امان کے عام حالات از سر نو بحال کر دئے جائیں گے۔ ریاست جموں و کشمیر کے عوام اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لئے آزاد ہوں گے۔ اور وہ فیصلہ جمہوریت کے مسلمہ طریقہ کار رائے شماری یا استصواب (Plebiscite or Referendum) کے ذریعے عمل میں آئے گا۔ جس کی غیر جانبداری کو یقینی بنانے کے لئے یہ اقدام بین الاقوامی نگرانی میں کیا جائے گا۔"

رائے شماری کے اقرار کا یہ اصول گاندھی جی کی زبان سے نکلے ہوئے اعلان کے بھی مطابق تھا۔ چناں چہ گاندھی جی نے فرمایا تھا کہ

"حکومت ہند نے کشمیر میں ہوائی جہازوں سے اپنی فوجیں اُتارتے وقت مہاراجہ سے یہ کہہ رکھا ہے کہ ریاست کا الحاق غیر جانبدارانہ رائے شماری کے ساتھ مشروط ہے۔ اور اس رائے شماری میں حصہ لینے کا حق بلا امتیاز مذہب و ملت ریاست کشمیر کے ہر باشندے کو حاصل ہو گا۔"

کشمیر کا سوال جب سیکورٹی کونسل میں پیش ہوا۔ تو سر گوپالا سوامی آئینگر جب ہندوستانی وفد کے لیڈر کی حیثیت سے کونسل کے سامنے کھڑے ہوئے تو اُنہوں نے ہندوستان کی طرف سے ۱۵ جنوری ۱۹۴۸ء کو حسب ذیل تقریر کی :-

"الحاق کی پیش کش قبول کرتے ہوئے حکومت ہند نے اُس مصیبت اور مشکل کا فائدہ اُٹھانے سے اجتناب کیا ہے۔ جس میں ریاست کشمیر فوری طور پر اپنے آپ کو پھنسا ہوا پاتی تھی۔ اور مہاراجہ کو لکھا ہے کہ جوں ہی امن و امان بحال ہو جائے گا۔ ریاست کے الحاق کا فیصلہ رائے شماری کے ذریعے طے کیا جائے گا۔ یہ سوال کہ ریاست جموں و کشمیر کے تعلقات اپنے ہمسائیوں کے ساتھ کیا کچھ ہوں۔ اور یہ سوال کہ دُنیا کے ساتھ کشمیر کے تعلقات کی نوعیت کیسی ہونی چاہیے۔ اور بہت سے مزید سوالات مثلاً یہ کہ کیا ریاست جموں و کشمیر ہندوستان کے ساتھ اپنے الحاق سے دستبردار ہو کر یا تو پاکستان کے ساتھ الحاق کرلے یا ایک مکمل آزاد ملک بن کر قائم رہے۔ جس کو اقوام متحدہ میں ممبر بننے کا مطالبہ کرنے کا بھی حق ہو وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام باتیں ہم نے تسلیم کی ہیں کہ ان کو طے کرنے کا مکمل اور آزادانہ حق ریاست کشمیر کے عوام کو ہے اور جب ریاست میں عام حالات پیدا ہو جائیں گے۔ ریاست کے لوگ اپنے اس حق کا استعمال کریں گے۔"

ہندوستان کی طرف سے الحاق کے مشروط ہونے کی نسبت اور آخری فیصلہ ریاست کے عوام کا حق قرار دینے کی نسبت جو اقرار و اعترافات کئے گئے تھے ان کو اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندو پاکستان نے اپنی اُن دو تجویزوں میں شامل کر دیا ہے۔ جو متنازعہ کشمیر کے بارے میں تاریخی اہمیت رکھتی ہیں۔ یہ وہ تجویزیں ہیں۔ جو کمیشن نے ۱۳ر اگست ۱۹۴۸ء اور ۵ر جنوری ۱۹۴۹ء کو پاس کی ہیں۔ اقوام متحدہ کے کمیشن نے جب ہندوستان اور پاکستان کے درمیان لڑائی بند کرائی۔ تو اُنہوں نے دونوں کے درمیان عہد نامہ صُلح طے کرانے کی کوشش کی۔ لیکن دونوں مُلکوں کی اختلافات اس بارے میں بڑھتے ہی گئے۔

۱۹۴۹ء میں ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی میں کشمیر کی طرف سے جب چار نمائندوں کو شامل کیا گیا تو حکومت پاکستان نے اس بات پر سیکورٹی کونسل کے سامنے احتجاج کیا جس کے جواب میں ہندوستان نے یہ موقف اختیار کیا کہ

"آئین ساز اسمبلی میں کشمیر کے چار نمائندوں کی شمولیت حکومت ہند کے اس فیصلے میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکتی کہ حکومت ہند الحاق کے معاملے میں جموں اور کشمیر کے عوام کی آزادانہ اعلان کردہ خواہش اور مرضی کی پابند ہے۔ اگر ایسا ہوا کہ الحاق کے بارے میں ریاست کے عوام نے قیام امن و امان کے بعد غیر جانبدارانہ نگرانی اور آئینی طریقوں سے عمل میں لائی ہوئی رائے شماری کے نتیجے میں ریاست کو ہندوستان کا حصہ قرار نہ دیا تو ہندوستان کی پارلیمنٹ میں ریاست کی نمائندگی اپنے آپ ہی ختم ہو جائے گی۔ اور ہندوستانی آئین کی وہ دفعات جو ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے تعلقات کی وضاحت کرتی ہوں گی۔ ان کے عمل اور نفاذ کی قوت بھی اپنے آپ ختم ہو جائے گی۔"

جب آئین ہند کی دفعہ ۳۷۰ جو کشمیر اور ہندیونین کے رشتوں سے تعلق رکھتی ہے۔ زیر غور آئی تو اس موقع پر سرگوپالا سوامی آئنگر نے ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی کے اجلاس میں تقریر

کرتے ہوئے حسب ذیل الفاظ میں مشروط الحاق کی نسبت حکومت کے اعتراف اور اقرار کو دہ

... ... "حکومت ہند نے بعض اُمور کے بارے میں کشمیر کے عوام کے ساتھ کچھ اقرار اور وعدے کر رکھے ہیں۔ حکومت نے یہ وعدہ کیا ہوا ہے کہ ریاست کے عوام کو یہ موقع دیا جائے گا کہ وہ اس سوال کو طے کریں کہ وہ جمہوریہ ہند کے ساتھ رہنا چاہیں گے یا اس سے باہر چلے جائیں گے۔ ہم نے یہ وعدہ بھی کر رکھا ہے کہ جونہی پُر امن اور عام حالات بحال ہو جائیں اور غیر جانبدارانہ رائے شماری عمل میں لانی یقینی ہو جائے تو ہم ریاست کے عوام کا فیصلہ بذریعہ رائے شماری معلوم کرنے کا قدم اٹھائیں گے۔ لہٰذا (دفعہ مذکورہ بالا کے ذریعہ) حکومت ایک درمیانی انتظام کو قائم رکھنا چاہتی ہے۔"

اس کے بعد ریاست کے الحاق کا معاملہ پھر انجمن اقوام متحدہ کے سامنے پیش ہوا۔ جس نے اپنے نمائندوں کی وساطت سے فریقین کے درمیان کوئی متفقہ راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کشمیر میں سے فوجوں کے اخراج کے بارے میں تجاویز میں کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔ اسی اثنا میں ریاست جموں و کشمیر میں ایک آئین ساز اسمبلی قائم کی گئی۔ لیکن سلامتی کونسل نے ۳۰ مارچ ۱۹۵۱ء کو ایک ریزولیشن پاس کیا۔ جس میں اس امر کی تصدیق کی کہ ریاست کشمیر میں آئین ساز اسمبلی طلب کرنا یا کوئی ایسا قدم جو یہ اسمبلی ریاست کی آئندہ شکل و صورت یا ریاست یا اُس کے کسی حصے کی شمولیت کے بارے میں اُٹھائے وہ قدم اب تک بالاتفاق تسلیم کردہ اصولوں کے مطابق اُٹھایا ہوا تصور نہ کیا جائے گا۔ ان متفقہ اصولوں سے مُراد یہ ہے کہ ریاست کے عوام کی رائے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک ایسے جمہوری انہ اور آزادانہ اور غیر جانبدارانہ رائے شماری کے ذریعہ ظاہر کی جائے جس کا انعقاد اقوام متحدہ کی نگرانی میں انجام پایا ہو۔"

اس سلسلے میں ہندوستانی وفد کے رہنما سر، بی، این، راؤ نے سلامتی کونسل کے سامنے حسب ذیل وضاحت کی۔

"ہندوستان کے آئین میں ایک حصہ الیار کھا گیا ہے جس کی رُو سے کشمیر کے آئین کی تفصیلات طے کرنے کے لئے ایک آئین ساز اسمبلی بنائی جا سکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایسی اسمبلی الحاق کے سوال کو بھی طے کر سکتی ہے؟ میری گورنمنٹ (یعنی حکومت ہند) کی رائے یہ ہے کہ اگر کشمیر کی آئین ساز اسمبلی چاہے کہ وہ اس سوال کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرے تو کر سکتی ہے۔ لیکن کوئی فیصلہ نہیں لے سکتی۔ البتہ اسمبلی کی ایسی رائے میری گورنمنٹ کے لئے یا اس کونسل کے لئے، موجب پابندی نہیں ہو سکتی۔"

۲۹ مئی ۱۹۵۱ء کو ہندوستان کے دوسرے نمائندے مسٹر راجیشور دیال نے سلامتی کونسل کو حسب ذیل الفاظ میں مزید یقین دہانی کرائی:

"میں از سر نو اس بات کو پکا کرتا ہوں کہ جہاں تک حکومت ہند کا تعلق ہے کشمیر کی آئین ساز اسمبلی بُلانے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ کشمیر کا جو سوال سلامتی کونسل کے سامنے ہے۔ اُس کے طے کرنے کی کوششوں میں کوئی رخنہ ڈالا جائے۔ یا اس سلسلے میں کونسل کا راستہ روکا جائے۔

اس سلسلے میں سلامتی کونسل نے اپنے نمائندہ ڈاکٹر فرینک گراہم (جن کی یہ حیثیت آج بھی قایم ہے) کے ذریعے جتنی بھی ثالثانہ کوششیں کیں وہ بھی بے ثمر ثابت ہوئیں۔

۱۹۵۳ء کے اگست کا یہ واقعہ ہے کہ وزیر اعظم ہندوستان اور وزیر اعظم پاکستان نے ایک مشترکہ اعلان کیا۔ جس میں منجملہ دیگر اُمور کے حسب ذیل الفاظ درج تھے۔

"دونوں وزیر اعظموں کی مستحکم رائے یہ ہے کہ ریاست کشمیر کے عوام کی بہبودی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اور لوگوں کی روزمرہ زندگی کو اُتھل پُتھل سے محفوظ رکھنے کے

لئے کشمیر کے الحاق کا سوال لوگوں کی خواہشات کے مطابق طے کیا جائے۔ لوگوں کی خواہشات معلوم کرنے کا قابلِ عمل طریقہ منصفانہ اور غیر جانبدارانہ رائے شماری ہے۔ مزید فیصلہ کیا گیا کہ رائے شماری کا منتظم اپریل ۱۹۵۴ء کے آخر تک مقرر کردیا جائے گا۔"

(۳)

۱۹۵۳ء کے ۱۰ نومبر میں ایک خبر شائع ہوئی کہ پاکستان ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے ساتھ کسی فوجی امداد کے معاہدے کی بات چیت میں مصروف ہے۔ اس سلسلے میں پنڈت جواہر لال نہرو نے ۵ مارچ ۱۹۵۴ء کو ایک خط میں لکھا کہ

"امریکہ کی طرف سے پاکستان کو فوجی امداد دینے کے فیصلے نے کشمیر کے سوال کی ساری موجودات تبدیل کردی ہے۔ اور اب تک جو ہم نے لمبی لمبی گفتگوئیں کی ہیں۔ ان کا اس امداد سے پیدا ہونے والے واقعات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔"

کافی مدت بعد پنڈت جواہر لال نہرو نے جنوری اکتیس ۳۱ ۱۹۵۷ء کو ایک عام جلسے میں تقریر کے دوران پاکستان کی طرف سے وعدہ شکنی کے الزام کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ "اگر مجھے اس بات کا یقین دلا دیا جائے کہ میں نے کشمیر کے بارے میں کسی بین الاقوامی وعدے یا اقرار کو پورا نہیں کیا تو میں یا تو اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ یا اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دوں گا۔ میں کشمیر کے بارے میں ایسا کوئی آخری فیصلہ نہیں چاہتا۔ جو کشمیر کے عوام کے منشا کے منافی ہو۔ میں ہرگز قانونی موشگافیوں کی بنا پر کوئی فیصلہ نہیں مانگتا۔"

اس کے بعد پھر معاملہ کشمیر اقوام متحدہ میں اٹھایا گیا۔ اور ۲۴ جنوری ۱۹۵۷ء کو سلامتی کونسل نے اپنی ایک تجویز میں یہ بات دہرائی کہ

"ریاست جموں و کشمیر کا آخری فیصلہ وہاں کے عوام کی رائے کے مطابق ہی طے کیا جائے گا۔ اور یہ رائے آزادانہ اور غیر جانبدارانہ رائے شماری کے جمہوری طریقہ کار کے ذریعے حاصل کی جائے گی۔ اور رائے شماری اقوام متحدہ کی نگرانی میں کرائی جائے گی۔"

فروری ۱۹۵۷ء کا واقعہ ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے الہ آباد میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے اس الزام کی تردید کی کہ ہندوستان اپنے وعدوں سے گریز کر رہا ہے۔ اُنہوں نے کہا "کشمیر ہمارا نہیں ہے وہ تو کشمیر کے باشندوں کا ہے ہم کشمیر کے لوگوں کی اجازت کے بغیر ایک لمحہ بھی کشمیر میں نہیں ٹھہر سکتے۔ یہ کوئی ہماری جائداد تو ہے نہیں۔"

اسی سال (۱۹۵۷ء) ۲۹۔ اپریل کو سلامتی کونسل کے سامنے مسٹر جارنگ نے اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے اس حقیقت کو دہرایا کہ "ہندوستان اور پاکستان دونوں نے اقوام متحدہ کے کمیشن کی وہ تجاویز قبول کرلی تھیں۔ جو ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء اور ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کو پاس ہوئی تھیں۔ اور سلامتی کونسل کے ایک تازہ مباحثہ کے دوران دونوں ملکوں نے ان تجاویز کی پابندی کا ازسر نو اقرار کیا ہے۔ مسٹر جارنگ نے یہ مشورہ دیا کہ

"ایک ثالث مقرر کیا جائے جو یہ بتائے کہ ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء والے ریزولیشن کا پہلا حصہ جو جنگ بندی کے ساتھ تعلق رکھتا تھا۔ اس پر عمل ہو چکا ہے یا نہیں۔"

تجویز کا یہ حصہ پاکستان نے قبول کرلیا تھا۔ مگر ہندوستان نے مسترد کیا تھا۔ اسی سال کا واقعہ ہے کہ ۲۔ دسمبر ۱۹۵۷ء کو سلامتی کونسل نے کشمیر کے بارے میں اپنی آخری تجویز پاس کی تھی۔

تب سے اس معاملے پر کوئی کارروائی ہی نہیں ہو پائی اور مسئلہ کو حل کرنے کے لئے

کوئی قابلِ قدر قدم نہیں اُٹھا۔ اگرچہ ہندوستان اور پاکستان کے لیڈر بارہا اس سوال پر غور کرنے کے لئے ملتے رہے۔ وزیر اعظم نہرو نے پہلے اقوام متحدہ کی نگرانی میں ثالثی کو واحد حل قرار دیا تھا۔ مگر کچھ وقت کے بعد یہ موقف ترک کر دیا گیا۔ اور اُس کے بدلے یہ کہا گیا کہ کشمیر کا سوال ہندوستان کا اندرونی سوال ہے۔ جس کے بارے میں ثالثی ناقابلِ قبول ہے۔ ۱۹۶۰ء میں جب پنڈت جواہر لال نہرو پاکستان کے دورے پر تھے۔ تو پریذیڈنٹ ایوب اور پنڈت نہرو کے درمیان کشمیر کے سوال پر لمبی چوڑی باتیں ہوئیں۔ لیکن معاملہ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ پایا۔

۲۴ جنوری ۱۹۶۲ء کو ایک پریس کانفرنس میں امریکہ کے پریذیڈنٹ کینڈی نے یہ انکشاف کیا کہ اُنہوں نے ورلڈ بنک کے صدر مسٹر یوجین بلیک کو ہدایت کی ہے کہ وہ کوشش کریں کہ مسئلہ کشمیر جیسے نازک اور مشکل سوال کے بارے میں کوئی حل نکالا جا سکتا ہے۔ یا نہیں۔ کیونکہ اس سوال نے بین الاقوامی تناؤ کو بڑھا دیا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں کو امداد دے رہے ہیں۔ ہماری یہ خواہش ہے کہ ہماری دی ہوئی مالی امداد دونوں ملکوں کے عوام کی بہبودی کے لئے زیادہ سے زیادہ مؤثر طریقہ سے استعمال ہو۔"

مسٹر بلیک نے ثالثی کی یہ ذمہ داریاں قبول کر لینے پر آمادگی ظاہر کی تھی۔ لیکن ہندوستان نے صدر کینڈی کا یہ مشورہ ہی قبول نہ کیا۔ اور پنڈت نہرو نے کہا کہ یہ ایک ثالثی ہے۔ اور ہندوستان اس امر کے خلاف ہے کہ جو مسئلہ کسی مُلک کے اقتدارِ اعلیٰ کو چھوتا ہو۔ اُس پر ثالثی قبول کی جائے۔

جب مجھے ۸ اپریل ۱۹۶۴ء میں جیل سے رہا کیا گیا اور میرے اور میرے ساتھیوں کے خلاف دائر کئے ہوئے مقدماتِ سازش واپس لے لئے گئے۔ تو میں نے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو اور صدر محمد ایوب خان کی دعوتیں قبول کرتے ہوئے ہندوستان اور پاکستان کا دورہ کیا۔ دونوں معزز ہستیوں کے ساتھ اپنی بات چیت کے دوران میں مَیں یہ نتیجہ نکالا کہ کشمیر کے پیچیدہ سوال کو باہمی بات چیت اور بحث و مباحثہ سے حل کرنے کی خواہش دونوں میں

استبداد جبر تک پہنچی ہوئی ہے۔ ان ملاقاتوں سے میں نے یہ اثر لیا کہ دونوں ملکوں کے ان بڑے رہنماؤں نے یہ بات محسوس کر لی ہے کہ کشمیر کے سوال کو اس طرح لٹکائے رکھنا دونوں ملکوں کے بہترین مفادات کے منافی ہے۔ کیونکہ اس سے ان کو یا اُن کے دوستوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ بلکہ اس صورت حال کا فائدہ دونوں کے دشمنوں کو ہی پہنچ سکتا ہے۔ میری تجویز پر پنڈت نہرو اور پریذیڈنٹ ایوب خان دونوں نے اتفاق کیا کہ وہ اس اہم معاملے کو طے کرنے کے لئے آپس میں ملاقات کریں۔ مگر پنڈت نہرو کی اچانک وفات نے اس ملاقات کو ہمیشہ کے لئے ناممکن بنا دیا۔ اُس کے بعد میں نے ہندوستانی رہنماؤں کے ساتھ اس مقصد کے لئے بات چیت کا سلسلہ از سرِ نو شروع کیا۔ اور مجھے یہ اُمید تھی کہ جونہی پاکستانی حکومت کے رہنما اپنے کچھ اندرونی اُمور سے فارغ ہو جائیں گے۔ تو دونوں ملکوں کے لیڈر مل جل کر کشمیر کے سوال پر کسی فیصلے پر پہنچ جائیں گے۔ میں آج بھی پُر اُمید ہوں کہ ایسی ملاقاتیں عملی صورت اختیار کریں گی۔ اگرچہ مجھے اس امر کا اعتراف ہے کہ ماضی قریب میں جو واقعات رونما ہوتے رہے۔ وہ کافی حوصلہ شکن ہیں۔

(۴)

تاریخی حالات کا مندرجہ بالا خلاصہ حقیقتاً ایک نامکمل مطالعہ ہے۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں نے جو وعدے اور اقرار کئے ہیں۔ اُن کو ایک طرف رکھ کر صاف دکھائی دیتا ہے کہ جہاں تک جموں وکشمیر کے عوام کے مفادات کا تعلق ہے ان کی طرف مناسب اور کافی توجہ نہیں دی گئی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس تمام لمبی مدت میں ریاست کے عوام کے مفادات اُن کے حقوق اور اُن کا نقطۂ نظر قدم قدم پر بری طرح سے نظر انداز ہوا ہے۔ اور جتنے نقصان اور مصائب اس مسئلے کے نتیجے میں پیش آئے اُن کا بڑا حصہ اہلِ ریاست کو ہی برداشت کرنا پڑا ہے۔ مسئلہ کشمیر حل نہ ہونے کے نتیجے میں غیر یقینیت کے دور سے جتنی

بھی خرابیاں پیدا ہوئی ہیں۔ اُس کا نشانہ ریاست کے لوگوں کو ہی بننا پڑا ہے۔ اور اِن خرابیوں نے ان کی زندگی کو کھوکھلا بنا دیا ہے۔ جب تک یہ غیر یقینیت ختم نہیں کی جاتی۔ تب تک عوامی زندگی کے کسی بھی میدان میں چاہے۔ وہ انتظامی ہو یا سیاسی، کوئی ترقی حاصل نہیں کی جا سکتی۔

جب ریاست کشمیر کی حکومت کی ذمہ داریاں میں نے سنبھالی تھیں۔ تو میرے وہ ساتھی جو حکومت میں تھے یا نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی میں تھے۔ وہ سب کے سب اس سوال پر متفق تھے کہ مسئلہ کشمیر کو طے نہ کرنے سے جو غیر یقینیت پھیلی ہوئی ہے۔ اُس کے خاتمے کے بغیر عوامی زندگی میں ترقی پروارانہ تبدیلیاں لانے کا امکان معدوم رہے گا۔

یہ ایک کافی پرانا واقعہ ہے۔ مئی ۱۹۵۳ء کا وقت تھا کہ نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی نے مسئلہ کشمیر کو آخری مرحلے تک لے جانے کی تجاویز اور اقدامات پر غور کرنے کیلئے ایک اونچے درجے کی کمیٹی مقرر کی۔ جس کے ممبر حسب ذیل تھے:۔

(۱) شیخ محمد عبداللہ (۲) مولانا محمد سعید مسعودی (۳) مرزا محمد افضل بیگ
(۴) بخشی غلام محمد (۵) خواجہ غلام محمد صادق (۶) سردار بدھ سنگھ
(۷) پنڈت گرداری لال ڈوگرہ (۸) پنڈت شام لال صراف۔

ذیل میں اس کمیٹی کے آخری اجلاس کی اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔ جو ۹ جون ۱۹۵۳ء کو منعقد ہوا تھا۔

اقتباسات

"اس کمیٹی کی بہت سی نشستوں میں یہ امر زیر غور آیا کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کشمیر کے متنازعہ فیہ مسئلے کا باعزت اور پُرامن حل کیا ہو سکتا ہے۔ بحث و مباحثہ اور غور و خوض کے بعد حسب ذیل متبادل صورتیں سامنے آئی ہیں:۔

(الف) "پوری ریاست میں رائے شماری اُن شرائط کے ساتھ جو ۴ جون ۱۹۵۳ء کی نشست کی رُوداد میں مفصل درج ہے (یہ اشارہ اغلباً مولانا محمد سعید مسعودی کی اُس تجویز کی طرف تھا کہ رائے شماری کے دوران عوام کو آزاد ریاست کے حق میں ووٹ دینے کا اختیار بھی شامل کیا جائے۔)

(ب) تمام ریاست کو آزاد ملک قرار دیا جائے۔

(ج) تمام ریاست کو آزاد ملک قرار دے کر ریاست کے تعلقات خارجہ ہندوستان اور پاکستان کے مشترک کنٹرول میں رکھے جائیں۔

(د) ڈکسن پلین میں جن علاقوں کو "علاقہ رائے شماری" قرار دیا گیا ہے۔ ان پر مشتمل آزاد سٹیٹ کا قیام عمل میں لایا جائے۔

خواجہ غلام محمد صادق جو ریاست جموں و کشمیر کے موجودہ وزیر اعلیٰ ہیں۔ اُن کی رائے حسب ذیل تھی۔

"اگر ہندوستان، پاکستان، افغانستان، جمہوریہ روس اور جمہوریہ چین پانچ ملکوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک ایجنسی رائے شماری کی نگرانی اور انتظام کے لئے پیدا کی جا سکے۔ تو اُس صورت میں میری تجویز یہ ہے کہ ہم فوری طور پر پوری ریاست کے لوگوں کی رائے شماری کا مطالبہ کریں۔ اور اگر ان پانچ ملکوں کی نمائندوں پر مشتمل ایجنسی کا مطالبہ پورا نہ ہو سکے۔ تو اُس صورت میں ہم کو یہ مطالبہ کرنا چاہیئے کہ رائے شماری کی نگرانی کے لئے ایک ایسا کمیشن مقرر کیا جائے۔ جو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے تمام ممبروں پر مشتمل ہوتا کہ ریاست کشمیر میں آزاد اور منصفانہ رائے شماری یقینی بنائی جا سکے۔"

ہندوستان میں رائے عامہ کی ترجمانی کرنے والے کچھ ممتاز رہنما مثلاً شری راج گوپال اچاریہ

شری جے پرکاش نارائن اور شری شیوا راؤ بار بار حکومت ہند کو یہ مشورہ دے چکے ہیں۔ کہ تنازعہ کشمیر کو متعلقہ فریقوں کی باہمی بات چیت سے طے کیا جائے۔ ایسی بات چیت کے نتیجے میں ممکن ہو سکتا ہے کہ کشمیر کو آزاد ریاست بنانے کی تجویز پر سمجھوتہ ہو جائے بشرطیکہ اُس کی بچاؤ کی یقین دہانی اقوام متحدہ کی ذمہ داری رہے۔ یا یہ صورت نکل آئے کہ دس سال کے لئے ریاست کو اقوام متحدہ کی ٹرسٹی شپ میں رکھا جائے کہ ریاست کشمیر کا الحاق ہندوستان سے ہو، پاکستان سے ہو یا یہ ایک آزاد ریاست بن جائے۔ یا یہ صورت طے ہو جائے کہ ہندوستان اور پاکستان کی ایک کنفڈریشن بن جائے۔ جس میں ریاست جموں وکشمیر تیسری وحدت کے طور پر شریک کر لی جائے۔ ہر صورت کے بارے میں ان رہنماؤں نے ریاست کشمیر کے پچاس لاکھ باشندوں پر بہت زور دیا ہے اور جائز طور پر اُس جبری تقسیم کے نتائج بد کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جو ریاست جموں وکشمیر کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کی وجہ سے اس وقت درپیش ہیں۔

مذکورہ بالا تجویزوں میں سے بعض تجویزیں موجودہ حالات کے پیش نظر اب بھی زیر غور لائی جاسکتی ہیں۔ اہم ترین اور بنیادی بات تو یہ ہے کہ تنازعہ کے ساتھ تعلق رکھنے والی پارٹیاں یعنی ہندوستان، پاکستان اور جموں وکشمیر کو ایک گول میز کے ارد گرد جمع کیا جائے۔ اگر کوئی درمیان دار طاقت اس کام کا انتظام کرے تو وہ زیادہ ہی مفید ثابت ہوگی۔ تینوں پارٹیاں گول میز کانفرنس میں دل اور دماغ کے تحفظات کی تمام بندشوں سے آزاد ہو کر مسئلہ کشمیر کو زیر غور لائیں۔ اور جتنی بھی متبادل صورتیں مختلف طرفوں سے آج تک پیش کی جاتی رہی ہیں۔ اُن سب پر غور کریں۔ اور مختلف صورتوں کو ایک ایک کر کے منہا اور ترک کرنے کے بعد کوئی ایسا حل قبول کر لیں۔ جو بحیثیت مجموعی منصفانہ ہو۔ اور جس سے ریاست جموں وکشمیر کے عوام کی جائز خواہشات اور تمنائیں زیادہ سے زیادہ حد تک پوری

ہوں۔ اور جو عوام کے مطالبہ حق خود اختیاری کے تقاضوں کے مطابق ہو۔ اور جس کی وجہ سے ہندوستان اور پاکستان دونوں کی عزت بھی بلند ہو۔ اور دونوں کے لئے منصفانہ بھی ہو۔

بدقسمتی سے متعلقہ پارٹیوں کو گول میز کے کنارے لا بٹھانے کی کوششیں ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکیں۔ اور حکومت ہند کے کچھ رہنماؤں کے بیانات نے فضا کو اور بھی خراب کر ڈالا ہے۔ اور آئین ہند کے کچھ دفعات جو پچھلے دنوں کشمیر پر حاوی کی گئیں۔ اور دفعہ ۳۷۰ کو کالعدم کرنے کی طرف جو اقدامات کئے گئے۔ انہوں نے اور بھی جلتی پر تیل کا کام کیا ہے۔

وہ اس میں کامیاب ہوئے یا نہ ہوئے۔ لیکن غلط اقدامات کے نتائج یہ ہوئے ہیں کہ کشمیر نے ہندوستان کے ساتھ جو پُر اعتماد امیدیں باندھ رکھی تھیں۔ ان کو نمایاں طور پر دھکا لگا ہے۔ میری دلی دعا ہے کہ بد اعتمادی کی یہ رفتار رک جائے اور جس راستے کی طرف میں نے اوپر توجہ دلائی ہے۔ اس پر چلنے کے لئے قدم اٹھائے جائیں۔

اس سلسلے میں نہایت موزوں ہوگا کہ آج سے بہت پہلے ۲۶ رجون ۱۹۵۲ء کو پنڈت جواہر لال نہرو نے آئینی مصلحتوں کے بارے میں جو کچھ کہا تھا۔ اس کی یاد تازہ کی جائے۔ پنڈت جی نے فرمایا تھا:۔

"ہمارے سامنے مسئلہ کشمیر کو طے کرنے کے سلسلے میں کوئی ایسا راستہ نہیں ہے جس پر ہم بے لگام دوڑ پڑیں۔ ہمارے سامنے بندشیں ہیں۔ ایسی بندشیں جن کا تانا بانا ہمارے ہی وعدوں اور اقراروں سے تیار ہوا ہے۔ جو وعدے اور اقرار ہم نے اقوام متحدہ کے سامنے ایک ذریعہ یا دوسرے ذریعہ سے کئے ہیں۔ اس کے باوجود ایک بنیادی حقیقت اپنی جگہ قایم ہے۔ اور وہ

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اعلان کر رکھا ہے۔ (اور اگر ہم نے اعلان نا بھی کیا ہوتا تب بھی یہ حقیقت اپنی جگہ قائم رہتی) کہ "مسئلہ کشمیر کو طے کرنے کا حق صرف ریاست کشمیر کے باشندوں کو حاصل ہے" وہی اس کو طے کریں گے۔ میں آئین ہند کا پورا احترام کرتے ہوئے یہ کہتا ہوں کہ آپ کا آئین کچھ بھی کہئے اگر کشمیر کے عوام نہ چاہیں تو یہ آئین کشمیر پر حاوی نہیں ہو سکتا۔ تھوڑی دیر کے لئے فرض کیجئے کہ کشمیر میں ایک مناسب اور موزوں رائے شماری عمل میں آتی ہے۔ اور اُس کی رُو سے کشمیر کے لوگ یہ فیصلہ دیتے ہیں کہ "ہم ہندوستان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے۔" تو وہ اِن کا حق ہے اور ہم نے وعدہ کیا ہوا ہے کہ ہم ایسے فیصلے کو بھی قبول کریں گے۔ یہ ظاہر ہے کہ ریاست کے لوگوں کا ایسا فیصلہ ہمیں ناپسند اور دُکھ دینے والا ہوگا۔ لیکن ہم ایسے فیصلے کے خلاف ریاست میں فوجیں نہیں بھیجیں گے۔ ہم یقیناً اسکو قبول کریں گے چاہیئے اس کی وجہ سے ہمیں کتنا بھی دُکھ اور تکلیف کا احساس ہو۔ اور ہم اپنے آئین میں اُسی فیصلے کے مطابق تبدیلیاں کریں گے۔"

پنڈت جواہر لال نہرو کی ایک اور تقریر ہے۔ جو موصوف نے ہند پارلیمنٹ کے سامنے ۷ر اگست ۱۹۵۲ء کو فرمائی تھی اور جس میں کہا تھا کہ

"مسئلہ کشمیر ایک بین الاقوامی معاملہ ہے۔ جو معاملہ بھی ہندوستان کے علاوہ کسی دوسری قوم کے ساتھ بھی تعلق رکھتا ہو۔ وہ بھی بین الاقوامی ہوتا ہے اور مسئلہ کشمیر ایسا ہی ہے۔ مسئلہ کشمیر مزید اس لئے بھی بین الاقوامی معاملہ بن گیا ہے کہ بہت سے دوسرے ممالک اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ اور اس کے بارے میں اپنے مشورے دیتے رہے ہیں۔ لہذا واقعات اور قانون کی رو سے ریاست کا الحاق مکمل ہی صحیح، مگر دوسرے حقائق بھی موجود اور قائم ہیں۔ جن کے ساتھ

قانون کا کوئی سروکار نہیں۔ مثلاً رائے شماری کا وہ وعدہ جو ہم نے کشمیر کے لوگوں سے کر رکھا ہے۔ بلکہ اگر آپ چاہیں تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے یہ وعدہ دُنیا بھر کے لوگوں سے کر رکھا ہے کہ کشمیر کا الحاق کشمیر کے لوگوں کی مرضی کے مطابق یا تو ہندوستان کے ساتھ مصدقہ ہو جائے گا یا منسوخ ہو جائے گا، یا کاٹ پھینکا جائے گا۔ ہم کشمیر کے لوگوں کو اُن کی مرضی کے خلاف ہتھیاروں کے بل بوتے پر قابو میں لے آنا نہیں چاہتے ہیں۔ اور اگر ریاست جموں و کشمیر کے لوگ یہی چاہیں کہ وہ ہم سے جُدا ہو جائیں تو وہ اپنا راستہ لے سکتے ہیں۔ اور ہم اپنے راستے پر چل پڑیں گے۔ ہم جبری بیاہ شادی کے قائل نہیں ہیں۔ اس قسم کا کوئی جبری ملاپ ہو ہی نہیں سکتا۔

بنابریں ہم اس بُنیادی تجویز کو قبول کرتے ہیں کہ کشمیر کا سوال آخری طور پر کشمیر کے عوام کی خیر اندیشی اور خوشی سے ہی طے ہو سکتا ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اس سوال کا طے ہونا اس پارلیمنٹ کی خیر اندیشی اور خوشی پر بھی منحصر نہیں۔ اگر وہ اس طرح طے کرنا چاہیئے۔ یہ بات نہیں ہے کہ پارلیمنٹ کو کوئی فیصلہ دینے کا اختیار نہیں۔ میں پارلیمنٹ کے اُن اختیارات سے انکار نہیں کرتا۔ جو اُس کو ریاست جموں و کشمیر کی نسبت فیصلے دینے اور پالسیاں بنانے کے بارے میں حاصل ہیں۔ البتہ میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ امر کہ آخری فیصلہ کشمیر کے لوگوں کا حق ہے۔ یہی ہماری مسلسل پالیسی چلی آئی ہے۔

بہر صورت یہ بات چاہے کتنی ہی دُکھ پہنچانے والی ہو یا کتنی ہی پریشان کُن کیوں نہ ہو۔ لیکن اس کے باوجود اگر کشمیر کے عوام ہندوستان سے باہر جانا چاہتے ہیں۔ تو اُن کو جانے دیجئے، کیونکہ ہم ان کو اُن کی مرضی کے خلاف

اپنے ساتھ چپکا کر نہیں رکھنا چاہتے، چاہے اس سے ہم کو کتنا ہی رنج و غم پہنچے۔ یہی وہ پالیسی ہے جس پر ہندوستان چلے گا۔ اور چونکہ ہندوستان اس قسم کی پالیسی پر چلے گا۔ لوگ اُس کو چھوڑ چھوڑ کر نہیں جائیں گے بلکہ لوگ اُس کے ساتھ چمٹیں گے۔ اور اُس کی طرف دوڑ دوڑ کر آئیں گے۔ کیونکہ تعلقات کی بُنیادوں کے بارے میں جو یہاں کہا گیا ہے، وہ صحیح نہیں مضبوط تعلقات کی بُنیادیں نہ آپ کی فوجی طاقت پر رکھی جا سکتی ہیں۔ اور نہ آئین کے الفاظ پر دراصل مضبوط تعلقات وہی ہو سکتے ہیں۔ جن کی بُنیادیں آئین قانون اور فوجی قوت سے بھی زیادہ گہری اور مستحکم ہوں۔ اور وہ بُنیادیں مختلف لوگوں کے درمیان محبت، دوستی اور ایک دوسرے کے جذبات اور مشکلات کو سمجھنے اور ان کی قدر کرنے کے ذریعے پیدا ہوتی ہیں۔"

ہم سے جُدا ہو چکے ہوئے اس شاندار لیڈر کے مندرجہ صدر الفاظ آج بھی مجھے راستہ دکھاتے ہیں۔ اور میری ہمت بڑھاتے ہیں۔ اور میں اُمید کرتا ہوں کہ پنڈت جواہر لال نہرو جی کی جانشین اپنا فرض پہچانتے گے اور تنازعہ کشمیر کا یہ سوال جس نے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تعلقات کو خراب سے خراب تر کر رکھا ہے۔ اس کو حل کرنے کے لئے خود اعتمادی سے کام لیں گے، موجودہ صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ دونوں ملکوں کی فوجیں کشمیر کی سرحدات پر مجتمع ہیں۔ اور دونوں ملکوں کے وسیع مالی ذرائع جو معتدل اور پُرامن حالات میں عوام کی ترقی اور پیشرفت کی کام آتے وہ دونوں طرف فوجی طاقت بڑھانے پر ضائع ہو رہے ہیں۔ اس حالت نے دونوں کے درمیان وسیع پیمانے پر جنگ چھڑ جانے کے خطرے کو مسلسل بنا دیا ہے۔ اور دونوں ملکوں میں اقلیتوں سمیت کروڑوں عوام کے تحفظ

اور خوشحالی کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ دونوں ملکوں کے اُن دوست ممالک کیلئے بھی تناو رنج و افسوس کا موجب بنا ہوا ہے۔ جنہوں نے مادی ذرائع سے دونوں کی مالی امداد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تاکہ دونوں کا معیار اُونچا ہو۔ اور وہ اپنی دولت کو باہمی کشمکش میں ضائع نہ کریں۔ لیکن سب سے زیادہ غم اور افسوس اور پریشانی خود ریاست جموں و کشمیر کے باشندوں کے حصے میں آتی ہے۔ جو اس تمام کشمکش کے سلسلے میں زیادہ سے زیادہ مصیبت کا شکار ہوئے ہیں۔ ریاست کے لوگوں کے مصائب کی کوئی حد ہی نہیں رہی۔ ہم اُمید کرتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ خُدا سبوں کو عقل عطا کرے۔ اور یہ دو ملک ہر ممکن تعجیل کے ساتھ تنازعہ کشمیر کی ظلمات سے باہر نکلنے کا راستہ ڈھونڈ نکالنے میں کامیاب ہو جائیں۔

